فتنوں کا دروازہ بند کرنے کے اصول

(فرمودہ ۲؍جولائی ۱۹۳۷ء)

تشہّد ،تعوّ ذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

اِس وقت جو فتنہ جماعت کے سامنے ہے قدرتی طور پر جماعت کے دوستوں کی طبائع میں اس کے متعلق ہیجان ہے۔ بعض طبائع اپنے اخلاص اور تقویٰ کی وجہ سے اس بات پر حیران ہیں کہ یہ لوگ جو بظاہر احمدیت کی خدمت کر رہے تھے کس طرح احمدیت کے فوائد کے مخالف کھڑے ہو گئے اور کیونکر وہ اس ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھے جس کی امید جماعت کے دوست ان پر رکھتے تھے۔ بعض طبائع ہیں جو اس بات پر خوش ہیں کہ انہیں ان میں سے بعض کے حالات پہلے معلوم تھے اور ان کی بناء پر وہ یہ امید رکھتے تھے کہ کسی نہ کسی دن یہ لوگ ٹھوکر کھا جائیں گے۔ بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو اس فکر اور خیال میں پڑے ہیں کہ ان لوگوں کو جماعت سے خارج کرنا دوسرے لوگوں کیلئے ٹھوکر کا موجب تو نہیں ہوگا اور کیا یہ بہتر نہ ہوتا کہ ان کے مقابلہ میں کچھ نرمی کی جاتی اور ان کو توبہ کا موقع دیا جاتا۔

غرض مختلف قسم کے خیالات ہیں جو جماعت میں پائے جاتے ہیں لیکن زیادہ تر حصہ جماعت کا وہی ہے جو سمجھتا ہے کہ اس قسم کے لوگوں کا اخراج بہر حال جماعت کیلئے مفید ہے اور یہ کہہ رہے ہیں کہ گو ان لوگوں نے جماعت کی امیدوں کے خلاف نمونہ دکھایا ہے مگر جب ان کا نمونہ ظاہر ہو گیا تو ان کے خلاف اس قسم کا سلوک ضروری تھا اور اگر کوئی اور بھی ایسے لوگ ہوں تو ان کے ساتھ بھی ایسا ہی سلوک کیا جائے۔ جماعت کی طرف سے کثرت کے ساتھ اس قسم کے پیغام آئے ہیں کہ یہ وقت ہے کہ اگر اور کوئی

ایسے لوگ ہوں تو ان کو بھی خارج کر دیا جائے اور اس پھوڑے کو لمبے عرصے تک نہ پکنے دیا جائے۔ جو لوگ ان لوگوں کی طرف سے بعض باتیں ایسی جانتے ہیں جو ان کی نگاہ میں انہیں سلسلہ کے مناسب حال قرار نہ دیتی تھیں، وہ اس نقطہ نگاہ سے مطمئن بھی ہیں کہ ہم پہلے ہی جانتے تھے یہ نکل جائیں گے۔ تیسرا گروہ جو باوجود اخلاص کے بوجہ نرم طبیعت یا بوجہ اپنی منافقت کے ان سے ہمدردی رکھتا ہے یہ کہتا ہے کہ کیوں نہ ان کے ساتھ ایسا برتاؤ کیا گیا جس سے یہ نتیجہ نکلتا اور یہ لوگ رُک جاتے۔ ان میں سے ایک حصہ جیسا کہ میں نے بتایا ہے، مخلص لوگوں کا ہے۔ وہ اپنی افتادِ طبیعت کی وجہ سے ایسے خیالات ظاہر کرنے پر مجبور ہے۔ بعض طبائع قدرتی طور پر ایسی نرم اور ڈرپوک ہوتی ہیں کہ وہ سمجھتی ہیں نہ معلوم کیا ہو جائے گا۔ بسا اوقات ان کی یہ رائے بوجہ ناواقفیت کے ہوتی ہے۔ وہ حالات کی اہمیت کو نہیں جانتے ہوتے۔ اور نہیں جانتے کہ سوائے اس رستہ کے جو اختیار کیا گیا کوئی اور باقی ہی نہ تھا۔ لیکن ایک حصہ ایسے لوگوں کا بھی ہوتا ہے جن کی طبیعت میں شبہ اور شک ہوتا ہے۔ وہ شک میں ہی پیدا ہوتے ہیں، شک میں ہی جوان، اور پھر شک میں ہی بوڑھے اور شک میں ہی مرجاتے ہیں۔ ایسے لوگ اگر شادی کیلئے آپ سے مشورہ کرنا چاہیں اور جو حالات وہ بیان کریں ان سے پتہ لگے کہ سوائے شادی کرنے کے ان کے لئے کوئی چارہ کار ہی نہیں اور سوائے اس رشتہ کے جو اُن کے سامنے ہے اور کوئی رشتہ اُن کو مل ہی نہیں سکتا اور آپ کہہ دیں کہ بہت اچھا شادی کر لیں تو یہ فقرہ سنتے ہیں ان کی طبیعت بدل جائے گی اور وہ کہنا شروع کر دیں گے کہ جی اس میں فلاں خطرہ بھی تو ہے، فلاں نقصان کا بھی تو احتمال ہے اور ان کی یہ باتیں سن کر اگر آپ خیال کریں کہ شاید میں نے ان کے حالات سمجھنے میں غلطی کی ہے اور وہ کہہ دیں کہ اچھا آپ وہاں شادی نہ کریں تو وہ معاً کہیں گے کہ جی! آپ نے میری یہ مجبوری تو سُنی ہی نہیں اور فلاں معذوری پر غور ہی نہیں کیا، ان کے ہوتے ہوئے میں رشتہ سے انکار کیونکر کرسکتا ہوں۔ گویا جب بھی آپ کوئی رائے ظاہر کریں وہ جھٹ اس کے اُلٹ ہو جائیں گے۔ خدا تعالیٰ نے ان کی طبیعت میں شک پیدا کیا ہوتا ہے۔ وہ شک میں ہی زندگی بسر کرتے اور شک میں ہی مرجاتے ہیں اور ایسی مشکوک طبائع کا کوئی علاج نہیں ہوتا سوائے اس کے کہ ان کے لئے دعا کی جائے کہ اللہ تعالیٰ ان کی کمزور طبیعت کی وجہ سے ان کو ایمان سے محروم نہ کر دے۔ منافق طبع ان ایمانداروں کے پردے کے پیچھے لڑتے ہیں اور جب بعض مومن بھی ایسی باتیں کر رہے ہوتے ہیں کسی کو جرأت نہیں ہوتی کہ منافق کو ایسی باتوں کیلئے

منافق کہہ سکے۔ یہ کمزور طبع لوگ گویا منافقوں کے امام ہوتے ہیں۔ اَلْاِمَامُ جُنَّةٌ یُقَاتَلُ مِنْ وَّرَائِهٖ[1] منافق کیلئے یہ ڈھال کا کام دیتے ہیں اور ان کی وجہ سے کوئی کسی منافق پر اعتراض نہیں کرسکتا۔ یہ لوگ اپنی بدقسمتی کی وجہ سے منافق کیلئے ڈھال بن جاتے ہیں اور ہمیشہ یہی لوگ فتنوں کو لمبا کرنے کا موجب ہوا کرتے ہیں۔ بظاہر یہ نرم دل اور رحم دل مصلح سمجھے جاتے ہیں۔ حالانکہ یہ ان کی کمزوری ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان سے میں نے بارہا سنا ہے اور سینکڑوں صحابہؓ ابھی ہم میں ایسے زندہ ہیں جنہوں نے سنا ہوگا کہ آپ فرمایا کرتے تھے بعض طبائع ایسی ہوتی ہیں کہ وہ اپنی طبیعت کی اُفتاد کی وجہ سے کوئی صحیح طریق اختیار نہیں کرسکتیں۔ باوجود اپنی نیک نیتی اور نیک ارادوں کے آپؑ فرمایا کرتے تھے کہ ایک شخص تھا اُس نے کسی دوست سے کہا کہ میری لڑکی کیلئے کوئی رشتہ تلاش کرو۔ کچھ روز کے بعد اُس کا دوست آیا اور کہا میں نے موزوں رشتہ تلاش کرلیا ہے۔ اُس نے پوچھا لڑکے کی کیا تعریف ہے؟ وہ کہنے لگا لڑکا بڑا ہی شریف اور بھلا مانس ہے۔ اس نے کہا کوئی اور حالات اس کے بیان کرو۔ اس نے جواب دیا بس جی اور حالات کیا ہیں، بے انتہا بھلا مانس ہے۔ پھر اس نے کہا کہ کوئی اور بات اس کی بتاؤ۔ اس نے جواب دیا کہ اور کیا بتاؤں بس کہہ جو دیا کہ وہ انتہا درجہ کا بھلا مانس ہے۔ اس پر لڑکی والے نے کہا میں اس سے رشتہ نہیں کرسکتا جس کی تعریف سوائے بھلا مانس ہونے کے اور ہے ہی نہیں۔ کل کو اگر کوئی میری لڑکی کو ہی لے جائے تو وہ اپنی بھلا مانسی میں ہی چُپ کا بیٹھا رہے گا۔ تو بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ ان میں صرف بھلے مانسی ہی ہوتی ہے، غیرت اور دین کا جوش نہیں پایا جاتا۔ وہ بوجہ نیک نیت ہونے کے مومن تو ضرور کہلاتے ہیں مگر ان کی بھلے مانسی خود ان کے لئے اور جماعت کیلئے بھی مُضِرّ پڑا کرتی ہے۔

ان مختلف الخیال لوگوں میں سے جن میں سے پہلے خیال کے لوگ جماعت میں بہت زیادہ ہیں اور جن کی طرف سے درخواستیں آرہی ہیں کہ ایسے لوگ اگر جماعت میں اور بھی ہوں تو ان کو بھی نکال دیا جائے، ان کو میں مطلع کرتا ہوں کہ میں نے فیصلہ کرلیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے اب میں ایسے سب لوگوں کو جن کا جُرم ثابت ہو نکالتا جاؤں گا اب ان پر رحم کرنا جماعت کے ساتھ دشمنی ہے مگر ایسے لوگوں کے خلاف ثبوت ضرور چاہئے۔ وہ دوست جو مجھے ایسے مشورے لکھ کر بھیجتے ہیں انہیں چاہئے کہ ایسے امور مجھ تک پہنچائیں۔ ثبوت کے بغیر میں کوئی قدم نہیں اٹھا سکتا کیونکہ شریعت اس کی اجازت نہیں دیتی۔

ساری برکت خدا تعالیٰ اور رسول کریم ﷺ کی اطاعت میں ہے۔ ہاں اگر مجھے ثبوت مل جائے تو امید ہے کہ خدا تعالیٰ مجھے توفیق دے گا کہ اس کے اور اس کے رسول کیلئے نڈر ہو کر میں ان کو قربان کر دوں اور ذرا بھی پرواہ نہ کروں۔

اس فتنہ کے متعلق جو تفاصیل ظاہر ہو رہی ہیں ان پر سلسلہ کے علماء تقریریں کر رہے اور مضامین لکھ رہے ہیں۔ یہ کام بھی اپنی ذات میں نہایت اہم ہے اور جماعت کے علماء کا فرض ہونا چاہئے کہ اس قسم کے فتنوں کی ہوا پاتے ہی مقابلے کے لئے تیار ہو جائیں۔ کیونکہ یہ سلسلہ نہ میرا ہے اور نہ ان کا، یہ سلسلہ خدا کا سلسلہ ہے اور خدا کا ہونے کے لحاظ سے ہم سب کا فرض ہے کہ اس کی حفاظت کریں۔ اس کے خدائی سلسلہ ہونے کا ثبوت اس کثرت اور تواتر سے ہمارے سامنے آ چکا ہے کہ وہ جس نے احمدیت کو سوچ سمجھ کر مانا ہے اپنے رشتہ داروں کی خاطر نہیں، یا وہ احمدی والدین کا غافل بچہ نہیں، اس کے سامنے اس کے لاکھوں ثبوت ہیں کہ یہ خدائی سلسلہ ہے اور اسی کے ہاتھوں سے چل رہا ہے۔ انسانوں نے لاکھوں کوششیں اسے مٹانے کی کیں مگر خدا نے اسے مٹانے سے انکار کر دیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا الہام ہے کہ یُرِیْدُوْنَ اَنْ لَّا یَتِمَّ اَمْرُکَ وَاللّٰہُ یَأْبٰی اِلَّا اَنْ یُّتِمَّ اَمْرَکَ [2] یعنی لوگ آئے اور چاہا کہ تیرے اس سلسلہ کو مٹا دیں مگر خدا نے ان کی اس بات کو ماننے سے انکار کر دیا اور وہ اس کام کو ضرور پورا کرے گا۔ پس ہم نے اپنی جانوں میں، اپنے دوستوں میں، اپنے محلّہ والوں، گاؤں والوں کی جانوں میں اور ساری دنیا کے نفوس میں اور زمین میں اور آسمان میں ایسے تواتر سے نشان دیکھے ہیں کہ شیطان ہی ان کا انکار کر سکتا ہے۔ یا پھر وہ ازلی نابینا جسے سچائی نظر ہی نہیں آ سکتی۔ ہم نے صرف وہی نشان نہیں دیکھے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر ظاہر ہوئے بلکہ وہ بھی جو ہمارے لئے اور ہمارے دوستوں کیلئے ظاہر ہوئے ہیں اور ان کے ہوتے ہوئے ہم کسی تردّد یا شک میں نہیں پڑ سکتے ہمیں جو فتح حاصل ہوئی ہے وہ اسی ایمان کی وجہ سے ہے جو ہمیں اپنے خدا پر حاصل ہے۔ دشمن اس چیز کیلئے لڑتا ہے جس پر اسے یقین نہیں لیکن ہم اُس چیز کیلئے لڑتے ہیں جو ہمیں سورج سے بھی زیادہ نمایاں نظر آتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب دشمن ہمارے ساتھ لڑنے لگتا ہے تو اُس کا دل کانپتا ہے مگر جب ہم لڑنے لگتے ہیں تو ایک مضبوط چٹان کی طرح قائم ہوتے ہیں کیونکہ ہمیں یہ بھی یقین ہوتا ہے کہ اگر ہم اپنی کسی کمزوری کی وجہ سے گرنے لگے تو خدا تعالیٰ خود کھڑا کر دے گا اور اُس کی تائید ہمیں قوت اور طاقت عطا کر دے گی۔

بچہ اپنی ماں کی گود میں دنیا کے بڑے سے بڑے بادشاہ کو بھی دھمکی دیتا ہے کیونکہ اس کے نزدیک اس کی ماں ہی سب سے بڑی ہوتی ہے اور ہم تو ہیں ہی اُس کی گود میں جس سے بڑا فی الواقعہ کوئی نہیں۔ پس ہم کس طرح کسی سے ڈر سکتے ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کے فضل اور رحم سے آنحضرت ﷺ اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طفیل زمین وآسمان ہماری خدمت کیلئے لگا دیئے گئے ہیں اور کوئی دُنیوی چیز ہمیں نقصان نہیں پہنچاسکتی۔ دنیا میں سب سے زیادہ تباہ کن چیز آگ ہی ہے مگر خدا تعالیٰ کے کلام میں ہمیں بتایا گیا ہے کہ ''آگ ہماری غلام بلکہ غلاموں کی غلام ہے'' [3]۔ اس سے ظاہر ہے کہ آگ صرف حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہی نہیں بلکہ حضورؑ کے غلاموں کی بھی غلام ہے۔ گویا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ صرف تُو ہی ابراہیمی نہیں بلکہ ابراہیمی نور تیری جماعت کے اندر بھی داخل کیا گیا ہے اور وہ بھی ظلی طور پر ابراہیم ہوگئی ہے۔

پھر یہ نشانات کا سلسلہ بند نہیں ہوگیا بلکہ اب بھی اس کثرت اور تواتر سے جاری ہے کہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔ یہ فتنہ آج ظاہر ہوا ہے مگر قبل از وقت دُور دراز علاقوں میں احمدیوں کو ایسی خوابیں آنی شروع ہوگئی تھیں۔ میں سندھ میں تھا کہ ڈیرہ دون یا منصوری سے ایک دوست کی چٹھی آئی جس میں ایک خواب درج تھی اُس دوست نے لکھا تھا کہ میں نے دیکھا ہے کہ رسول کریم ﷺ اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لائے ہیں تا کہ آپ کا لیکچر سُنیں۔ جس کے معنے یہ تھے کہ قریب کے زمانہ میں مجھے دینِ اسلام اور سلسلہ کی حفاظت کیلئے بولنا پڑے گا اور گویا اُس وقت اِن دونوں کی روحیں میری مدد کیلئے نازل ہوں گی۔

پھر ایک اور دوست کی سینکڑوں میل سے چٹھی آئی تھی ان کے رؤیا کو میں نے پہلے بھی بیان کیا تھا مگر تفصیلاً نہیں کیونکہ مصلحت نہ تھی۔ انہوں نے لکھا تھا کہ میں نے دیکھا آنحضرت ﷺ، حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ ہیں اور جماعت کے بعض دوست بھی ساتھ ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے سب کو کھڑا کیا اور فرمایا کیا میں نے جسّاسہ سے پناہ مانگنے کیلئے نہیں کہا تھا (جسّاسہ دجال ہی کا ایک نام ہے [4] جس کا احادیث میں ذکر ہے)۔ پھر آپ فرماتے ہیں کہ سب کہو ہاں آپ نے فرمایا تھا۔ جسّاسہ اسے کہتے ہیں جو تجسس کر کے عیب نکالتا ہے۔

پھر میں نے اپنے اپریل ۱۹۳۷ء کے خطبہ میں بھی بیان کیا تھا کہ میری ہمشیرہ عزیزہ مبارکہ بیگم

صاحبہ نے ایک رؤیا دیکھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک تخت پر کھڑے ہیں جو کانپ رہا ہے اور آپ لوگوں سے فرما رہے ہیں کہ پندرہ بیس روز یہ دعا کرو رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ۔کیا اس سے معلوم نہیں ہوتا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام جماعت کے موجودہ طریق کو صحیح قرار دیتے ہیں اور بعض وہ لوگ جو جماعت کو دوسری طرف لے جانا چاہتے ہیں وہ غلطی پر ہیں۔ کیونکہ آپ نے فرمایا کہ دعا کرو اے اللہ! ہمیں اس ہدایت پر قائم رکھ اور بہکانے والوں سے بچا۔

۴؍جنوری ۱۹۳۵ء کے خطبہ میں مَیں نے اپنا ایک رؤیا بیان کیا تھا جو ''الفضل'' میں چھپ چکا ہے اور جو اس طرح ہے کہ میں نے دیکھا ایک پہاڑی کی چوٹی ہے جس پر جماعت کے کچھ لوگ ہیں۔ میری ایک بیوی اور بعض بچے بھی ہیں۔ وہاں جماعت کے سرکردہ لوگوں کی ایک جماعت ہے جو آپس میں کبڈی کھیلنے لگے ہیں۔ جب وہ کھیلنے لگے تو کسی نے مجھے کہا یا یونہی علم ہؤا کہ انہوں نے یہ شرط باندھی ہے کہ جو جیت جائے گا خلافت کے متعلق اُس کا خیال قائم کیا جائے گا۔ میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس فقرہ کا مطلب یہ تھا کہ جیتنے والے جسے پیش کریں گے وہ خلیفہ ہوگا یا یہ کہ اگر وہ کہیں گے کہ کوئی خلیفہ نہ ہو تو کوئی بھی نہ ہوگا۔ بہر حال جب میں نے یہ بات سُنی تو میں ان لوگوں کی طرف گیا اور میں نے ان نشانوں کو جو کبڈی کھیلنے کیلئے بنائے جاتے ہیں مٹا دیا اور کہا کہ میری اجازت کے بغیر کون یہ طریق اختیار کر سکتا ہے یہ بالکل ناجائز ہے اور میں اس کی اجازت نہیں دے سکتا۔ اس پر کچھ لوگ مجھ سے بحث کرنے لگے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ اکثریت پہلے صرف تلعّب کے طور پر یہ دیکھنا چاہتی تھی کہ کون جیتتا ہے اور خلیفہ کی تعیین کرتا ہے مگر میرے دخل دینے پر پہلے جو لوگ خلافت کے مؤید تھے وہ بھی ان کے ساتھ شامل ہوگئے۔ گویا میرے روکنے کو انہوں نے اپنی ہتک سمجھا۔ نتیجہ یہ ہؤا کہ میرے ساتھ صرف تین چار آدمی رہ گئے اور دوسری طرف ڈیڑھ دوسَو۔ اُس وقت میں سمجھتا ہوں کہ گویا احمدیوں کی حکومت ہے اور میں اپنے ساتھیوں سے کہتا ہوں کہ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس سے خونریزی کے ڈر سے بھی میں پیچھے قدم نہیں ہٹا سکتا اس لئے آؤ ہم ان پر حملہ کرتے ہیں۔ وہ مخلصین میرے ساتھ شامل ہوئے۔ مجھے یاد نہیں کہ ہمارے پاس کچھ ہتھیار تھے یا نہیں۔ بہر حال ہم نے ان پر حملہ کیا اور فریقِ مخالف کے کئی آدمی زخمی ہو گئے اور باقی بھاگ کر تہہ خانوں میں چھپ گئے۔ اب مجھے خیال پیدا ہؤا کہ یہ لوگ تو تہہ خانوں میں چُھپ

گئے ہیں۔ ہم ان کا تعاقب بھی نہیں کر سکتے اور اگر یہاں کھڑے رہتے ہیں تو یہ لوگ کسی وقت موقع پا کر ہم پر حملہ کر دیں گے اور چونکہ ہم تعداد میں تھوڑے ہیں، ہمیں نقصان پہنچنے کا خطرہ ہے اور اگر ہم یہاں سے جائیں تو یہ لوگ پُشت سے آ کر ہم پر حملہ کر دیں گے۔ پس میں حیران ہوں کہ اب ہم کیا کریں۔ میری ایک بیوی بھی ساتھ ہیں اگر چہ یہ یاد نہیں کہ کونسی ہیں اور ایک چھوٹا لڑکا انور احمد بھی یاد ہے کہ ساتھ ہے میرے ساتھی ایک زخمی کو پکڑ کر لائے ہیں جسے میں پہچانتا ہوں اور جو اَب وفات یافتہ ہے اور با اثر لوگوں میں سے تھا۔ میں نے اسے کہا کہ تم نے یہ کیا غلط طریق اختیار کیا اور اپنی عاقبت خراب کر لی۔ مگر وہ ایسا زخمی ہے کہ مر رہا ہے۔ مجھے یہ درد اور گھبراہٹ ہے کہ اس نے یہ طریق کیوں اختیار کیا۔ مگر جواب میں اُس کی زبان لڑکھڑائی اور وہ ِگر گیا۔ اتنے میں پہاڑی کے نیچے سے ایک شور کی آواز پیدا ہوئی اور ایسا معلوم ہوا کہ تکبیر کے نعرے بلند کئے جاتے ہیں۔ میں نے کسی سے پوچھا کہ یہ کیا شور ہے؟ تو اس نے بتایا کہ یہ جماعت کے غرباء ہیں۔ ان کو جب خبر ہوئی کہ آپ سے لڑائی ہو رہی ہے تو وہ آپ کی مدد کیلئے آئے ہیں۔ میں خیال کرتا ہوں کہ جماعت تو ہمیشہ غرباء سے ہی ترقی کیا کرتی ہے۔ یہ خدا کا فضل ہے کہ غرباء میرے ساتھ ہیں مگر تھوڑی دیر کے بعد تکبیر کے نعرے خاموش ہو گئے اور مجھے بتایا گیا کہ آنے والوں کے ساتھ فریب کیا گیا ہے۔ انہیں کسی نے اشارہ کر دیا ہے کہ اب خطرہ نہیں اور وہ چلے گئے ہیں۔ مجھے کوئی مشورہ دیتا ہے کہ ہمارے ساتھ بچے ہیں اس لئے ہم تیز نہیں چل سکیں گے آپ نیچے جائیں آپ کو دیکھ کر لوگ اکٹھے ہو جائیں گے اور آپ اِس قابل ہوں گے کہ ہماری مدد کر سکیں۔ چنانچہ میں نیچے اُترتا ہوں اور غرباء میں سے مخلصین کی ایک جماعت کو دیکھتا ہوں اور ان سے کہتا ہوں کہ میں یہاں اس لئے آیا ہوں کہ تا مخلصین اکٹھے ہو جائیں۔ تم اوپر جاؤ اور عورتوں اور بچوں کو بہ حفاظت لے آؤ۔ اس پر وہ جاتے ہیں اور اتنے میں میں دیکھتا ہوں کہ پہلے مرد اُترتے ہیں پھر عورتیں لیکن میرا لڑکا انور احمد نہیں آیا۔ پھر ایک شخص آیا اور میں نے اُسے کہا کہ انور احمد کہاں ہے؟ اس نے کہا کہ وہ بھی آ گیا ہے۔ پھر جماعت میں ایک بیداری اور جوش پیدا ہوتا ہے۔ چاروں طرف سے لوگ آتے ہیں۔ ان جمع ہونے والے لوگوں میں سے شہر سیالکوٹ کے کچھ لوگوں کو پہچانا ہے۔ ان کے ساتھ کچھ وہ لوگ بھی آ جاتے ہیں جو باغی تھے اور میں انہیں کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اتحاد کے ذریعہ طاقت دی تھی۔ اگر تم ایسے فتنوں میں پڑے تو کمزور ہو کر ذلیل ہو جاؤ گے۔ کچھ لوگ مجھ سے بحث کرتے ہیں میں انہیں دلائل کی طرف لاتا ہوں اور

یہ بھی کہتا ہوں کہ اس سے جماعت کا تو کچھ نہیں بگڑے گا البتہ اس کے وقار کو جو صدمہ پہنچے گا اس کیلئے اللہ تعالیٰ کے حضور تم ذمہ وار ہو گے۔ اس پر بعض لوگ کچھ نرم ہوتے ہیں مگر دوسرے پھر ان کو ورغلا دیتے ہیں اور اسی بحث مباحثہ میں میری آنکھ کُھل جاتی ہے۔

تو اللہ تعالیٰ نے قبل از وقت اس فتنہ کی جو خلافت کے متعلق اٹھایا جانے والا تھا، اطلاع دے دی تھی۔ مگر یہ پُرانے خواب ہیں۔ مَیں ایک تازہ خواب سناتا ہوں کہ کس طرح اللہ تعالیٰ کی نصرت ایک رنگ میں چل رہی ہے۔ مصری صاحب کے اعلان کے بعد پانچ دن کی بات ہے یعنی اتوار اور ہفتہ کی درمیانی شب کی کہ میں جاگ رہا تھا اور کُلّی طور پر بیدار تھا کہ یکدم ربودگی کی حالت طاری ہوئی اور الٰہی تصرف کے ماتحت کچھ فقرے میرے دماغ پر نازل ہونے شروع ہوئے۔ پہلے ایک دو تو جلدی گزر گئے مگر تیسرا یہ تھا کہ ’’آنحضرت ﷺ تشریف لائے‘‘ اور بے اختیار زبان سے نکلا ’’مبارک ہو، مبارک ہو‘‘ اور میرے دل پر یہ اثر ہے کہ یہ ’’مبارک ہو، مبارک ہو‘‘ میرے نفس کی طرف سے ہے اور پہلا حصہ الہامی ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت کی رُوح اِس فتنہ کو دبانے کیلئے آ رہی ہے۔ اس کے بعد میں سو گیا اور میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک دشمن نے مجھ پر حملہ کیا ہے اور میں نے اُس کا گلا گھونٹ دیا ہے اور وہ بیہوش ہو کر گر گیا ہے۔ یہ معلوم نہیں مر گیا ہے یا زندہ ہے۔ پھر تیسرا نظارہ بدلا اور میں نے دیکھا کہ کوئی شخص ہمارے مکان میں گُھس آیا ہے اور میں اُسے پکڑنے کیلئے اُٹھا ہوں۔ مگر میری آنکھوں پر کنٹوپ پڑا ہے۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ ایسا نہ ہو وہ مجھ پر حملہ کر دے کیونکہ میری آنکھوں پر تو کنٹوپ ہے۔ اس پر میں نے کنٹوپ اُتارنا شروع کیا حتیٰ کہ میری آنکھیں بالکل ننگی ہو گئیں۔ مگر اتنے میں وہ بھاگ گیا۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ ابھی کچھ مخفی مخالف ہیں اور ۱۹۳۵ء والے رؤیا میں یہ دکھایا گیا تھا کہ بعض مخالف بِلوں میں چُھپ جائیں گے اور بعض کے زخمی ہونے کے یہ معنی ہیں کہ وہ ظاہر ہو جائیں گے۔ بہر حال وہ چُھپ جائیں یا ظاہر ہوں ہمارے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نصرت کا وعدہ ہے۔ ہمارا خدا دیکھنے والا ہے وہ اگر چُھپیں بھی تو کہاں چُھپ سکتے ہیں۔ انہیں ظاہر کرا کے یا تو وہ انہیں ہمارے ہاتھوں سے سزا دے گا یا اندر ہی اندر طاعون کے چُوہوں کی طرح انہیں مار دے گا اور کسی کو پتہ تک نہیں ہو گا۔ سب کچھ اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہے۔ وہ اگر چاہے تو ان کے ایمانوں کو سلب کر لے، ان پر روحانی موت وارد کر دے اور وہ خود ہی بیعت توڑنے کا اعلان کر دیں یا ان کو ذلّت دے کر ضرر پہنچانے

کے قابل ہی نہ رہنے دے۔ غرضیکہ وہ سب کچھ کرسکتا ہے۔

بہرحال یہ فتنہ ایک تو عارضی اور مقامی حیثیت رکھتا ہے جس کا مقابلہ ہمارے علماء کر رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ کب تک ان کو کرنا پڑے گا۔ مگر ہر عارضی اور مقامی فساد کا ایک حصہ مستقل بھی ہوتا ہے۔ مثلاً کھانسی ہے جب بھی کسی کو کھانسی ہو یہ خیال نہیں کر لینا چاہئے کہ گلے کی سوزش سے ہے بلکہ بعض اوقات جسم کی بناوٹ میں ہی کوئی ایسا نقص ہوتا ہے جس سے کھانسی دور نہیں ہوتی۔ پس ہمیں غور کرنا چاہئے کہ اس فتنہ کا کوئی مستقل اور وسیع پہلو بھی ہے یا نہیں اور اگر کوئی ہو تو اس کا بھی علاج کرنا چاہئے۔ جس طرح کسی شخص کے مکان کی چھت ٹپکے تو اس کا عارضی علاج تو یہ ہے کہ نیچے بالٹیاں رکھ دی جائیں اور سامان وہاں سے ہٹا لیا جائے یا پھر چھت پر مٹی ڈال دی جائے۔ مگر بعض اوقات بعض کڑیاں ہی گل چکی ہوتی ہیں اور چُوہوں نے چھت کے اندر ایسے سوراخ بنا لئے ہوتے ہیں جو اوپر مٹی ڈالنے سے بند نہیں ہوسکتے اس کیلئے ضروری ہوتا ہے کہ چھت کو درست کیا جائے۔ اسی طرح اس فتنہ کے متعلق بھی چاہئے کہ ہم وسیع نظر ڈالیں اور حقیقی مرض کو معلوم کر کے اس کا علاج کریں اور میں چاہتا ہوں کہ اس کا جو وسیع اور مستقل سبب ہوسکتا ہے اس پر بھی نظر ڈالوں تا جو مخلص دوست چاہتے ہیں کہ اس قسم کی خرابیاں پیدا نہ ہوں اس پر غور کر کے انہیں دور کرنے کیلئے تعاون کریں۔ شریعت کے کئی احکامات ایسے ہوتے ہیں جن کی تفاصیل سے لوگ ناواقف ہوتے ہیں اور ان پر جب عمل کرتے ہیں تو بعض دفعہ نقصان ہوتا ہے اور پھر کہتے ہیں کہ شریعت کے احکام میں نقص ہے۔ ہمارا صرف یہی فرض نہیں کہ بتائیں شریعت کا یہ حکم ہے بلکہ یہ بھی فرض ہے کہ تفاصیل میں جائیں اور بتائیں کہ اور کیا احتیاطیں شریعت نے بتائی ہیں۔ اگر ان سے واقف نہ کریں تو لوگ اس حکم کو غلط سمجھیں گے اور شریعت پر ان کو حسن ظن نہ رہے گی۔ پس چیزوں کی حکمت کے ساتھ ان کی پیچیدگیاں بھی بیان کرنی ضروری ہیں اور علماء کا سب سے بڑا کام یہی ہے۔ قرآن کریم نے علماء کو مخاطب کر کے فرمایا ہے کہ کُوْنُوْا رَبَّانِیّٖنَ [5] یعنی تم کو مبلّغ اور عالم ہی نہیں بلکہ ربانی بننا چاہئے۔ یعنی ہر چیز کی ادنیٰ سے لے کر اعلیٰ تک پیچیدگیاں، خطرات، اس کی خوبیاں اور نقصانات سب بیان کرو تا لوگوں کو روزِ روشن کی طرح معلوم ہوسکے کہ شریعت کا یہ منشا ہے۔ مثلاً قرآن کریم نے لین دین کے متعلق کھول کھول کر احکام بیان کئے ہیں مگر ہماری جماعت کے نوے فیصدی لوگ ان تمام تفاصیل سے واقف نہیں ہیں اور یہ علماء کا فرض ہے کہ ان کو واقف کریں تا وہ دیکھ سکیں کہ قرآن کریم کے

خلاف عمل کر رہے ہیں یا اس کے مطابق۔

پس ایسے فتنوں کے مستقل اور حقیقی اسباب کے متعلق میں جو کچھ بیان کروں گا جماعت کے علماء کو چاہئے کہ اسے اچھی طرح سمجھ لیں اور پھر اسے جماعت کے افراد کے اچھی طرح ذہن نشین کریں۔ یہ مت خیال کرو کہ میرے سامنے اِس وقت ہزاروں لوگ بیٹھے ہیں اور میں جو کہوں گا اسے خود ہی سن لیں گے۔ ان میں سے کچھ تو سو رہے ہیں۔ پھر یہ خیال مت کرو کہ جو جاگتے ہیں وہ سب سنتے ہیں۔ کئی ایک سوچ رہے ہوں گے کہ میں اپنے بیمار بچے کو چھوڑ کر آیا ہوں، خطبہ جلدی ختم ہو تو میں اسے جا کر دوائی دوں، کئی سوچتے ہوں گے کہ آج فلاں فصل کو گوڈی کرنی ہے یا فلاں کھیت میں ہل چلانا ہے یہاں سے جاؤں تو جا کر یہ کام کروں۔ پس یہاں مختلف خیالات کے لوگ آ بیٹھے ہیں۔ پھر کافی لوگ ایسے ہیں جو جاگتے تو ہیں مگر روحانی طور پر سوتے ہیں۔ پھر جو توجہ سے سن بھی رہے ہیں وہ سب کے سب اس قابل نہیں کہ بات کو سمجھ سکیں یا توجہ دے سکیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک دفعہ عورتوں میں لیکچروں کا ایک سلسلہ شروع کیا اور وفاتِ مسیح، آمدِ مسیح اور نبوت وغیرہ مسائل پر بہت سے لیکچر دیئے۔ مجھے یہ اس وقت یاد نہیں کہ یہ لیکچر روزانہ ہوتے تھے یا ہفتہ میں تین دن یا ہفتہ وار۔ مگر یہ حقیقت ہے کہ آپ نے بہت سے لیکچر دیئے۔ ایک دن ایک عورت سے آپ نے دریافت فرمایا کہ تم لیکچروں میں شامل ہوتی ہو یا نہیں؟ اس نے جواب دیا کہ ہاں شامل ہوتی ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے کیا بیان کیا ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ بس یہی نماز روزہ کی باتیں ہوتی ہیں اور کیا۔ اِس پر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ سلسلہ بند کر دیا۔ تو بعض طبائع ایسی ہوتی ہیں کہ وہ بات کو سُن کر بھی نہیں سمجھ سکتیں۔ وہ بڑی مخلص عورت تھی مگر جب آپ تقریر کرتے وہ ''سُبْحَانَ اللّٰہِ، واری جاواں، صدقے جاواں'' ہی کرتی رہتی۔ وہ اپنے اخلاص میں یہی دیکھتی رہتی کہ خدا کا مسیح باتیں کر رہا ہے۔ آگے یہ کہ بات کیا ہے اس کے متعلق جاننے کی اس نے کبھی کوشش ہی نہیں کی اور سمجھ لیا کہ بس روزے نماز کی باتیں ہی ہوں گی کوئی چوری وغیرہ کی باتیں تو ہوں گی نہیں۔ اس طرح مردوں میں بھی ایک حصہ ایسے لوگوں کا ہے جو میری باتوں پر سُبْحَانَ اللّٰہِ سُبْحَانَ اللّٰہِ ہی کہتا رہتا ہے اور بجائے سمجھنے کے یہی کہتا جاتا ہے کہ کیا اچھی بات کی ہے، خلیفۃ المسیح جو ہوئے۔ ایسے لوگ محتاج ہوتے ہیں کہ انفرادی طور پر اُنہیں سامنے بٹھا کر بات ان کے ذہن نشین کرائی

جائے۔ پھر سننے والوں میں ایک حصہ ’’سترے بہترے‘‘ لوگوں کا ہے جو بات کو سمجھ سکتے ہی نہیں۔ کچھ حصہ بچوں کا ہے جو ابھی اس عمر کو ہی نہیں پہنچے کہ سمجھ سکیں۔ ایک حصہ ایسے لوگوں کا ہے جو ایک دفعہ نہیں بلکہ کئی دفعہ سننے کے بعد بات کو سمجھ سکتے ہیں۔ ایک حصہ ایسے لوگوں کا ہے جو بوجہ حافظہ کمزور ہونے کے مسجد سے نکلتے ہی بات کو بُھول جاتے ہیں۔ اگر آجکل کے لیکچروں میں شامل ہوتے ہیں تو باہر جا کر کہتے ہیں کہ میر صاحب نے بہت اچھا لیکچر دیا۔ کوئی پوچھے کیا تھا؟ تو کہیں گے یاد تو نہیں مگر تھا بہت اعلیٰ۔ کوئی کہے گا کہ آپ کو اطلاع ملی ہوگی آج مولوی ابوالعطاء صاحب کا لیکچر بہت اعلیٰ تھا۔ آگے پوچھا جائے کیا تھا! تو بس جواب ہوگا کہ یاد نہیں۔ وہ مسجد سے نکلتے ہی بُھول جاتے ہیں۔ صرف ان کے دماغ پر اتنا اثر رہتا ہے کہ بات بڑی اچھی تھی۔ ایسے طبقہ کے سامنے جب تک دس بیس دفعہ ایک بات کو دُہرایا نہ جائے اُن کے ذہن نشین ہو ہی نہیں سکتی۔ ہمارے ہاں ایک خادمہ تھی وہ بڑی عمر میں آئی تھی۔ حضرت اماں جان نے اُسے فرمایا کہ قرآن شریف پڑھا کرو۔ کہنے لگی مجھے یاد نہیں رہتا۔ آپ نے فرمایا کوشش کرو آخر اس نے پڑھنا شروع کیا۔ ایک آدھ جملہ سبق لیتی اور پھر اُسے سارا دن رٹتی رہتی۔ اس طرح دس پندرہ سال میں اس نے سیپارہ ڈیڑھ سیپارہ پڑھا۔ ایک دن ہم نے دیکھا کہ وہ کام کرتی جاتی تھی اور کہتی جاتی تھی کہ ’’جابھانوں آبہناں۔ جابھانوں آبہنا‘‘۔ اُس سے دریافت کیا گیا کہ یہ کیا کہتی ہو؟ تو کہنے لگی قرآن شریف کا سبق یاد کرتی ہوں۔ اسے کہا گیا یہ تو قرآن شریف میں نہیں ہے۔ کہنے لگی ہے کیوں نہیں، مجھے فلاں عورت بتا کر گئی ہے اور جب پڑھانے والے سے پوچھا گیا تو اُس نے بتایا کہ میں تو اسے **یَعْلَمُ مَابَیْنَ** بتا آئی تھی۔

تو کئی دماغ ایسے ہوتے ہیں کہ وہ سنتے کچھ ہیں اور یاد ان کو کچھ ہوتا ہے۔ ان کے متعلق یہ خیال کر لینا کہ خطبہ سن چکے ہیں، اس لئے علماء کی ذمہ داری پوری ہو چکی ہے غلط ہے۔ جب تک علماء جو خلیفہ کے بازو اور کان ہوتے ہیں، اُس کے ساتھ پورا پورا تعاون نہ کریں ان کا فرض ادا نہیں ہوتا۔ علماء سے میری مراد صرف مبلغ ہی نہیں بلکہ وہ طبقہ بھی علماء میں شامل ہے جو بات کو سمجھ سکتا اور یاد رکھ سکتا ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ **اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا** [6] کہ خدا سے ڈرنے والے علماء ہیں۔

پس ہر مومن جو دین کا درد اور سلسلہ سے اخلاص رکھتا ہے اور جو چاہتا ہے کہ خدا تعالیٰ کا سلسلہ

نیک نامی کے ساتھ دنیا میں قائم رہے اور اسلام کو وہی عزت پھر حاصل ہو جو آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں ہوئی تھی اور اس کام کیلئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کوششیں باطل اور رائیگاں نہ جائیں اس کا فرض ہے کہ خلیفہ کے ساتھ دن رات تعاون کر کے اس کام میں لگ جائے کہ ذہنی طور پر بھی جماعت کی اصلاح ہو جائے۔ ایسے لوگوں کا فرض ہے کہ جس طرح شادی کے موقع پر لوگ اپنی جھولیاں پھیلا دیتے ہیں کہ ان میں چھوہارے گریں اسی طرح جب خلیفہ جماعت کی اصلاح کیلئے کچھ کہے تو اسے لیں اور افرادِ جماعت کے سامنے اسے دُہرائیں اور دُہرائیں اور دُہرائیں حتیٰ کہ کُند ذہن سے کُند ذہن آدمی بھی سمجھ جائے اور دین پر صحیح طور پر چلنے کیلئے رستہ پالے۔ میں نے علماء کو پہلے بھی اس طرف توجہ دلائی تھی اور میں خوشی کے ساتھ اعلان کرتا ہوں کہ ایک مثال ایسی ہے کہ جس نے اس طرف توجہ کی اور وہ مولوی ظہور حسین صاحب مولوی فاضل ہیں جو گرلز سکول میں پڑھاتے ہیں۔ انہوں نے ان مسائل کو بار بار اور عمدگی کے ساتھ طالبات کے سامنے پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔

پس اس مضمون کے شروع کرنے سے قبل کہ اس قسم کے فتنوں کے وسیع اور مستقل اسباب کیا ہیں اور ان کا علاج کیا ہے، میں چاہتا ہوں کہ صرف مبلغ ہی نہیں بلکہ ہر سمجھدار اور دیانتدار اور مومن جو سمجھنے سمجھانے کی قابلیت رکھتا ہے، اپنے آپ کو تیار کرے کہ اسے سن کر اور سمجھ کر دوسروں کو سمجھائے۔ بعض چھوٹے چھوٹے اصول دنیا میں ایسے ہوتے ہیں جو انسانی اعمال پر بہت لمبا اثر ڈالتے ہیں۔ لوگ خیال کرتے ہیں کہ ہر فرد کا ہر فعل منفردانہ حیثیت رکھتا ہے۔ مثلاً کوئی شخص چوری کرتا ہے تو لوگ خیال کرتے ہیں کہ اس نے مال دیکھا اور لالچ میں آ گیا۔ حالانکہ بسا اوقات وہ چوری نتیجہ ہوتی ہے ان اثرات کا جو بچپن یا جوانی میں پڑے ہوتے ہیں۔ وہ منفرد فعل نہیں ہوتا بلکہ بیماری ہوتی ہے جو اندر ہی اندر ترقی کر رہی ہوتی ہے اور آخر ایک دن گرفتار کرا دیتی ہے۔ بعض لوگ جھوٹ بولتے ہیں۔ لوگ کہتے ہیں اسے عادت ہے یا بیچارا ایسی مصیبت میں گرفتار ہو چکا ہے کہ اس کے سِوا چارہ نہیں تھا۔ حالانکہ وہ ایسے اثر کے ماتحت جھوٹ بول رہا ہوتا ہے جو بچپن یا جوانی میں اس پر پڑا تھا۔ پس جب تک ہر مربی اس نکتہ کو نہ سمجھ لے کہ بعض اصول انسانی افکار کو بدل دیتے ہیں لاکھ سمجھاؤ دوسرے کی سمجھ میں بات آ ہی نہیں سکتی۔ میرا ذاتی تجربہ ہے کہ انفرادی طور پر سمجھانا کسی کام نہیں آتا جب تک اس کے مطابق ماحول میں بھی تبدیلی نہ کی جائے۔ اس کے بغیر عارضی طور پر تو اصلاح ہو جاتی ہے مگر اس عارضی نصیحت کا اثر دور ہوتے

ہی پھر وہی حالت ہو جاتی ہے۔ میں اس بات کو ایک مثال سے واضح کرتا ہوں۔ بچپن میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھے ایک ہوائی بندوق لے دی اور میں چند اور بچوں کے ساتھ موضع ناتھ پور کی طرف شکار کرنے چلا گیا۔ کھیتوں میں ایک سکھ لڑکا ہمیں ملا اور کہنے لگا یہ کیا ہے؟ ہم نے بتایا کہ بندوق ہے۔ وہ پوچھنے لگا اس سے کیا کرتے ہو؟ ہم نے بتایا کہ شکار مارتے ہیں۔ اس نے کہا کچھ مارا بھی ہے۔ ہم نے کہا ہاں ایک فاختہ ماری ہے۔ وہ کہنے لگا ہمارے گاؤں میں چلو وہاں بہت سی فاختائیں ملیں گی جو بیریوں وغیرہ پر بیٹھی رہتی ہیں۔ ہم نے اسے کہا کہ گاؤں کے لوگ ناراض تو نہ ہوں گے؟ وہ کہنے لگا کہ نہیں ناراض کیوں ہوں گے تم لوگوں نے فاختہ ہی مارنی ہے ان کو اس سے کیا۔ خیر وہ ہمیں ساتھ لے کر گاؤں میں پہنچا اور ایک درخت پر کچھ فاختائیں بیٹھی ہوئی دیکھ کر کہنے لگا کہ وہ ہیں مارو۔ میں نے بندوق چلائی اور غالباً ایک کو مارلیا۔ پھر وہ ہمیں آگے ایک اور درخت کے پاس لے گیا اس پر بھی فاختہ بیٹھی تھیں۔ وہ کہنے لگا کہ لو اب ان کو مارو۔ اتنے میں ایک بڑھیا نکلی اور کہنے لگی کہ تم لوگوں کو شرم نہیں آتی جیو ہتیا[۲] کرتے ہو۔ اور اپنے گاؤں کے لڑکوں کو مخاطب کر کے کہنے لگی کہ تم بڑے بے شرم ہو جو دیکھتے ہو اور منع نہیں کرتے۔ اس کا یہ کہنا تھا کہ وہی لڑکا جو ہمیں اپنے ساتھ لایا تھا فوراً بگڑ گیا اس کی آنکھیں سرخ ہو گئیں اور ہمیں کہنے لگا تم کیوں ہمارے گاؤں میں شکار کرتے ہو؟ ہمیں ساتھ لانا اس کا ایک عارضی اثر کے ماتحت تھا مگر جیو ہتیا کی مخالفت ایک پرانا اثر تھا اور اس کے رونما ہوتے ہی وہ عارضی اثر بالکل زائل ہو گیا اور قطعاً بُھول گیا کہ خود ہمیں اپنے ساتھ لایا تھا۔ ہم آنے میں متأمل تھے کہ لوگ ناراض نہ ہوں مگر اس نے ہمیں یہ یقین دلایا تھا کہ نہیں کوئی ناراض نہیں ہوگا۔ تو بعض مسائل کا اثر دماغ پر بہت گہرا ہوتا ہے اور جب تک دماغ کی اصلاح اس کے مطابق نہ کی جائے یا پھر جب تک اس اصل کی غلطی اس پر پوری طرح واضح نہ کر دی جائے منفرد اعمال میں انسان کی اصلاح ناممکن ہوتی ہے۔

فرض کرو ایک شخص چوری کرتا ہے مگر کسی ایسے خیال کے ماتحت کہ وہ چوری کو جائز سمجھتا ہے۔ اب اس کے اس خیال کو ہم جب تک نہ توڑ دیں وہ چوری نہیں چھوڑے گا۔ یا ایک شخص کے بیوی بچے بھوکے مر رہے ہیں گاؤں والے سنگدل ہیں اور اس کی کوئی مدد نہیں کرتے اس لئے وہ ان کی جان بچانے کیلئے چوری کرتا ہے اس کے چوری کرنے کی وجہ یہ نہیں کہ وہ چوری کو جائز سمجھتا ہے بلکہ یہ ہے کہ اگر وہ چوری نہ کرے تو اس کے بیوی بچے بھوکوں مر جائیں۔ اب اگر اسے کہا جائے کہ چوری بُری چیز ہے، خدا

اور رسول نے اس سے منع کیا ہے تو ممکن ہے عارضی طور پر اس پر کوئی اثر ہو لیکن جب وہ اپنے بیوی بچوں کو فاقے مرتا دیکھے گا چوری کیلئے تیار ہو جائے گا اور ہماری نصیحت بالکل رائیگاں جائے گی۔ کیونکہ ہم نے وہ اسباب تلاش کرنے کی کوشش ہی نہیں کی تھی کہ وہ چوری کیوں کرتا ہے۔ اسے ہم دو طرح ہی چوری سے روک سکتے ہیں۔ اوّل تو اس طرح کہ اس پر ثابت کر دیں کہ فاقوں سے مر جانا بہتر ہے بجائے اس کے کہ چوری یا بددیانتی کی جائے۔ یا پھر اس طرح کہ اس کے گھر روٹی بھیجنا شروع کر دیں۔ جب تک ہم یہ نہ کریں گے وہ چوری نہیں چھوڑ سکتا۔ تو بعض اصول ایسے ہوتے ہیں کہ جب تک ان کی اصلاح نہ کی جائے اور نقطۂ نگاہ کو نہ بدل دیا جائے اثر نہیں ہو سکتا۔ اور اگر ہو بھی تو عارضی ہوتا ہے جو کچھ روز کے بعد زائل ہو جاتا ہے۔

اب میں اس کی ایک مثال دیتا ہوں کہ کس طرح بعض خیالی اصول انسانی اعمال پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ ہندو قوم میں بہت سے اختلاف ہیں۔ بعض فرقے ویدوں کو مانتے ہیں بعض نہیں۔ بعض گائے کا گوشت کھاتے ہیں بعض نہیں۔ بعض پرانوں[8] کو مانتے ہیں اور بعض نہیں۔ بعض ذات پات کے قائل ہیں اور بعض نہیں۔ سادھوؤں کے بعض فرقے ذات پات کو نہیں مانتے۔ اسی طرح سادھوؤں کے بعض فرقے مُردہ کو جلاتے یا دریا میں پھینک دیتے ہیں اور بعض دفن کرتے ہیں۔ مگر ایک اصولی بات ان سب میں موجود ہے اور وہ یہ کہ خدا تعالیٰ گناہ معاف نہیں کر سکتا۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ گناہ خدا کا قرض ہیں جسے ادا کر کے ہی انسان نجات پا سکتا ہے اور چونکہ انسانی زندگی اتنی لمبی نہیں کہ سب قرض ادا ہو سکے اس لئے وہ سمجھتے ہیں کہ انسان جونیں بدلتا رہتا ہے اور جب تک خدا تعالیٰ کا قرض ادا نہیں ہو جاتا اسے نجات حاصل نہیں ہو سکتی۔ یہ خیال ان کے اندر بہت راسخ ہے اور اسے ہی تناسخ کہتے ہیں۔ بظاہر یہ ایک فلسفہ ہے، ایک نظریہ ہے جسے عملی زندگی سے تعلق نہیں۔ لیکن اگر ہندو قوم کی عملی حالت دیکھی جائے تو وہ ساری کی ساری اسی نظریہ کے ماتحت ہے۔ ان میں سُود خوری اور پیچھے پڑ کر قرض وصول کرنا اسی کے نتیجہ میں ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ جب خدا قرضہ معاف نہیں کر سکتا تو ہم کیونکر معاف کر دیں اور جس طرح خدا جونوں میں بھیجتا ہے اسی طرح باپ مر جائے تو بیٹے سے اور، بیٹے کے بعد پوتے سے وصول کرتے ہیں۔ تمام ہندو قوم کا ذہنی نظریہ اسی تناسخ کے عقیدہ کے ماتحت ہے۔ مسلمان چونکہ ہندوؤں سے کم میل جول رکھتے ہیں اس لئے بوجہ ناواقفیت سمجھتے ہیں کہ ہندو بخیل ہوتے ہیں، حالانکہ یہ بات نہیں۔ اخباروں

کا مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ ہندو صدقہ وخیرات کے کاموں میں مسلمانوں سے کم نہیں۔ کنویں بنواتے اور دوسرے رفاہِ عام کے کام وہ بہت کرتے ہیں اور لاکھوں روپے خرچ کر دیتے ہیں۔ مگر ایک مقروض آتا ہے اور کہتا ہے کہ لالہ جی! میرے بیوی بچے بھوکے مر رہے ہیں، مجھ پر رحم کریں اور پانچ روپیہ مجھے چھوڑ دیں مَیں ادا نہیں کرسکتا تو وہ انکار کر دیتا ہے۔ مگر اس کا یہ انکار بخل کی وجہ سے نہیں۔ اس کے ذہن میں یہ نظریہ ہے کہ خدا تعالیٰ بہت دینے والا ہے۔ اس نے ہمارے لئے سورج چاند پیدا کئے ہیں اور مُفت دے دیئے ہیں۔ وہ دیالو کرپالو ہے مگر قرضہ معاف نہیں کرسکتا، یہ انسان کو بہرحال ادا کرنا پڑے گا۔ اور یہی چیز اس کے کریکٹر میں داخل ہوگئی ہے۔ وہ لاکھوں روپیہ خرچ کر دے گا مگر قرض پانچ روپیہ کا بھی معاف نہیں کرے گا۔ اسی نظریہ کے ماتحت ہندو قوم میں تجارتی ترقی ہوئی ہے۔ وہ سختی سے قرض وصول کرتی ہے اور چونکہ بہت سے لوگ دے نہیں سکتے اس کا قرض پھیلتا ہے اور اس طرح ساری دنیا اس کی مقروض ہوتی جاتی ہے اور اس وجہ سے تجارت پر اس کا قبضہ ہوتا جارہا ہے۔

اس کے برعکس مسلمان قوم کا عمل یہ ہے کہ اگر کسی مسلمان سے کوئی پیسہ مانگے تو وہ کہے گا کہ جا جا کام کر، ہم خود کھائیں یا تم جیسوں کو دیں۔ لیکن اگر کسی پر قرض ہوگا تو قرض خواہ سے کہے گا چھوڑ دو جانے دو۔ وہ پیسہ دینے میں بخل کرے گا مگر قرض کے معاملہ میں نہیں بلکہ کہہ دے گا چھوڑو جانے دو، غریب آدمی ہے۔ کیونکہ اس کے ذہن میں بخشش کا اصل، گھر کر چکا ہے۔ اور وہ سمجھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بخشنے والا ہے۔ کوئی کتنا بڑا قصور کرے مسلمان کہہ دے گا جانے دو۔ اللہ تعالیٰ غفار ستار ہے۔ قوم تباہ ہو جائے، ملک اور جماعت تباہ ہو جائے، وہ غفار تُو، ستار تُو کی رٹ لگاتا جائے گا اور یہی کہتا رہے گا کہ بس جانے دو، معمولی بات ہے۔ تو تناسخ کے عقیدہ نے ہندو قوم کی عملی زندگی بدل دی ہے۔ آج ہندو قوم تجارت پر ظاہراً اور زراعت پر باطناً قابض ہے۔ ساہوکار زیادہ تر جینی ہیں اور یہی قوم تناسخ کی زیادہ سختی سے قائل ہے۔ ایسے جینی عام ہندوؤں سے بھی زیادہ سخی ہوتے ہیں اور اعداد و شمار اس پر شاہد ہیں مگر وصولی میں وہ دوسروں سے بھی زیادہ سخت ہوتے ہیں۔ آپ غور کریں اسی قسم کا عقیدہ کسی اور قوم میں بھی پایا جاتا ہے یا نہیں اور اگر پایا جاتا ہے تو اس کی حالت کیا ہے۔ دنیا میں ایسی صرف ایک اور قوم ہے اور وہ یہودی قوم ہے۔ ان کو حکم دیا گیا تھا کہ تیری آنکھ مروت نہ کرے کہ جان کا بدلہ جان، آنکھ کا بدلہ آنکھ، دانت کا بدلہ دانت، ہاتھ کا بدلہ ہاتھ، پاؤں کا بدلہ پاؤں ہوگا۔[9]

یعنی تمہارے لئے بدلہ لینا ضروری ہے۔ دیکھنا کبھی رحم نہ کرنا۔ چنانچہ ان کا کریکٹر بھی وہی ہے جو ہندوؤں کا ہے۔ بلکہ یہودیوں کی اس معاملہ میں سختی کے متعلق تو شیکسپیئر نے ایک ڈرامہ بھی لکھا ہے کہ ایک یہودی نے اپنے کسی مقروض سے لکھوایا ہوُا تھا کہ اگر بروقت روپیہ ادا نہ کیا گیا تو آدھ سیر گوشت تمہارے جسم سے کاٹ لوں گا۔ چنانچہ جب روپیہ ادا نہ ہوسکا تو اس نے گوشت کاٹنے پر اصرار کیا۔ مقروض کے رشتہ دار بہت روئے، پیٹے اور منت خوشامد کی کہ اتنا ظلم نہ کرو۔ مگر اس نے ایک نہ مانی اور اپنی بات پر مُصِر رہا۔ آخر ایک عقلمند بیچ میں آ گیا اور اس نے کہا کہ اچھا گوشت کاٹ لو مگر خون کا ایک قطرہ نہ گرے۔ کیونکہ یہ تحریر میں نہیں ہے کہ خون بھی گرایا جائے گا اور گوشت بھی آدھا سیر سے بال بھر کم و بیش نہ ہوگا اور چونکہ یہ باتیں اس کے بس میں نہ تھیں اسے دبنا پڑا۔ اب آجکل جس طرح ہمارے ہاں قرضہ بِل اور ساہوکارہ بل بن رہے ہیں، اسی یورپ میں یہودیوں سے سختی ہو رہی ہے جرمنی نے یہودیوں کو اپنے ملک سے بالکل ہی نکال دیا ہے۔ انگلینڈ میں بھی ایک ایسی پارٹی بن گئی ہے جو اِن کے سخت خلاف ہے۔ اٹلی میں بھی ان پر سختی کی جا رہی ہے۔ ہنگری اور بعض اور ممالک میں بھی یہی حالت ہے۔ سپین میں بھی ان پر سختی ہوئی ہے۔ کیونکہ جس طرح ہندوستان میں ساہوکار معاف نہیں کرسکتا اسی طرح یورپ میں یہودیوں کا حال ہے۔ اور اسی نظریہ کے ماتحت یہودی قوم بھی تجارت میں ترقی کر گئی ہے۔ کیونکہ وہ بھی لین دین میں سختی کرتی ہے اور تجارت ایسی سختی سے ہی چل سکتی ہے خواہ یہ سختی بُری ہو۔

یہ دونوں قومیں جن کا نظریہ، یہ ہے کہ قرضہ معاف نہیں ہوسکتا دونوں نے تجارت میں ترقی کی ہے۔ ایک نے مغرب میں اور دوسرے نے مشرق میں اور دونوں کی ترقی اور تنزّل اس نظریہ کی طرف منسوب ہوتا ہے۔ ہندوؤں نے اسی کی بدولت تجارت پر قبضہ کیا ہے اور اگر ان کے خلاف زمینداروں میں جوش ہے تو اس کی وجہ بھی یہی ہے۔ اسی طرح یہود کا اگر یورپ کی سیاست پر قبضہ ہے تو اس کی وجہ بھی یہی ہے اور اگر جرمن نے ان کو ملک سے نکال دیا ہے تو اسی کے باعث۔ اب ان لوگوں سے لاکھ بحث کرو کہ سُود بُری چیز ہے، تجارت میں سختی نہیں کرنی چاہئے اور اس کیلئے لاکھ دلائل دو کبھی نہیں مانیں گے۔ لیکن جس دن ان کے یہ بات ذہن نشین کرادو کہ اللہ میاں بھی معاف کرتا ہے اور تم بھی معاف کرو تو فوراً ان کا نظریہ بدل جائے گا۔ یہی حال یہود کا ہے، جرمنی لاکھ مُکّے دکھائے جب تک وہ نظریہ نہ بدلے جو استثناء باب ۱۹ آیت ۲۱ کے ذریعہ قائم کیا گیا ہے۔ اُس وقت تک ممکن نہی کہ یہودی سُود دیا

لین دین کے معاملہ میں سختی چھوڑ دے۔ کیونکہ جو عقیدہ بچپن سے دل میں ڈالا جاتا ہے اس کا اثر لازمی طور پر چاہئے۔

اب ہمیں یہ دیکھنا چاہئے کہ جن حالات میں سے جماعت گزر رہی ہے وہ بعض اصول کے ماتحت ہیں یا انفرادی ہیں اور پھر اس کے مطابق جب ہم اصلاح کی کوشش کریں گے اور ذہنیتوں کو بدل ڈالیں گے تو پھر ایسے فتنوں کا دروازہ ہمیشہ کیلئے بند ہو جائے گا۔ کیونکہ جب پانی پیچھے سے ہی نہیں آئے گا تو اگلے سوراخ خود بخود بند ہو جائیں گے۔ اس لئے ہمیں غور کرنا چاہئے کہ کون سے ایسے حالات ہیں جن کے ماتحت بعض لوگوں میں ایسی کمزوریاں پیدا ہوتی ہیں اور ان کو معلوم کر کے یا ان کی غلطی کو دور کریں۔ اگر ان کو سمجھنے میں غلطی ہوئی ہے تو اس کی اصلاح کریں اور اگر وہ بات محرف ومبدل ہو چکی ہو تو بھی اسے ٹھیک کریں۔ یہ تمہید چونکہ بہت لمبی ہوگئی ہے اس لئے اس مضمون کو کہ کیا چیزیں ہیں جو اس قسم کے حالات پیدا کرتی ہیں اگر اللہ تعالیٰ نے توفیق دی تو اگلے خطبہ میں بیان کروں گا۔

میں چاہتا ہوں کہ یہ باتیں اچھی طرح آپ لوگوں کے ذہن نشین کرا دوں کہ وہ کیا کیا باتیں ہیں جو مسلمانوں اور ان سے نکلے ہوئے احمدیوں میں پیدا ہو کر ایسے فتنوں کا موجب ہوتی ہیں اور جب تک اہل علم اور سمجھدار افراد ان باتوں کو ایک ایک شخص کے ذہن نشین کرنے کیلئے تعاون نہ کریں اور کوٹ کوٹ کر ان کے دماغوں میں یہ باتیں داخل نہ کریں جسے انگریزی میں Hammering کہتے ہیں، اس کا کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ پس ان باتوں کو سن کر بار بار لوگوں کے سامنے دہراؤ۔ یہاں تک کہ ایک کُودن[10] سے کودن شخص کے دماغ میں بھی یہ بات بیٹھ جائے۔ پھر جب یہ کریکٹر بن جائے گا تو ہر شخص ان سے فائدہ اٹھا سکے گا اور آئندہ نسلوں میں خود بخود یہ باتیں آتی جائیں گی کیونکہ یہی اصول ہیں جن کو بدلے بغیر ہم کامیابی حاصل نہیں کر سکتے۔ ان کے بغیر جو اصلاح ہوگی عارضی ہوگی۔ لوگوں کو مجھ پر اعتماد ہے کہ جب میں نے سمجھا دیا تو لوگ سمجھ جاتے ہیں۔ مگر یہ درست نہیں۔ سمجھنا ایسا آسان کام نہیں۔ ذہنیت میں تبدیلی بہت بڑی محنت چاہتی ہے۔ ہاں جب ذہنیت تبدیل ہو جائے تب بیشک حقیقی تبدیلی پیدا ہو جاتی ہے اور ایک نسل ہی نہیں کئی نسلوں کی اصلاح ہو جاتی ہے اور یہ نیکی کا سلسلہ جاری رہتا ہے حتیٰ کہ جماعت میں پھر بگاڑ پیدا ہو جائے جسے خدا تعالیٰ کا دوسرا مامور آکر دور کرے۔ اس لئے ضروری ہے کہ بچوں کے دلوں میں بھی ان باتوں کو بٹھایا جائے۔ اسی غرض سے میں نے بورڈنگ تحریک جدید قائم کیا تھا کہ

اخلاقِ فاضلہ بچوں کے اندر قائم کئے جائیں جو ماں باپ قائم نہیں کر سکتے۔ مگر افسوس ہے کہ اس بورڈنگ کے افسروں نے ابھی تک تقسیمِ عمل کا فیصلہ ہی نہیں کیا اور وہ ابھی انہی باتوں میں پڑے ہوئے ہیں کہ سپرنٹنڈنٹ کے فرائض کیا ہیں اور ٹیوٹروں کے کیا۔

اصل کام کی طرف ابھی پوری توجہ نہیں ہوئی۔ میری غرض اس بورڈنگ کے قیام سے یہ ہے کہ اسلامی اخلاق کی تفاصیل بچوں کو سمجھائی جائیں۔ سچ کی تعریف بیان کرو۔ سچ بولنے میں کیا کیا مشکلات پیش آسکتی ہیں اور پھر شریعت نے ان کے کیا کیا علاج رکھے ہیں۔ یہ باتیں سکھائی جانی چاہئیں ورنہ صرف سچ بولنے کی تعلیم تو ہندو اور سِکھ بھی دیتے ہیں۔ اسی طرح سب کہتے ہیں کہ شرک نہ کرو۔ مگر اسلام بتاتا ہے کہ شرک ہوتا کیا ہے، وہ کیونکر پیدا ہوتا ہے، کیونکر ترقی کرتا ہے اور کون کون سی مشکلات میں طبیعت اسے قبول کرنے کی طرف مائل ہوتی ہے اور پھر اس کے علاج کیا ہیں۔ جب اس طرح بچہ کے دل میں بات بٹھائی جائے تو وہ پھر نہیں نکل سکتی اور جب تک ہم اس طرح نہ کریں کوئی کامیابی نہیں ہو سکتی۔ پس اگر ہم موجودہ لوگوں اور آئندہ اولادوں کی درستی کر لیں تو ہمیشہ کیلئے اس قسم کے فتنوں کا رستہ بند ہوسکتا ہے۔ ورنہ شکی طبائع کا وساوس کا شکار ہو جانے کا احتمال باقی رہے گا۔ مثلاً میں نے سنا ہے بعض لوگ کہتے ہیں کہ مصری صاحب نے لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكَاذِبِيْنَ کی وعید کے ساتھ لکھا ہے کہ میں نے یہ بات نہیں لکھی اس لئے ان کا یہ قول صحیح ہوگا۔ لیکن جب میر صاحب نے مصری صاحب کے الفاظ نقل کر کے لکھا اب کہو لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكَاذِبِيْنَ تو وہ چپ ہو گئے اور ایسے لوگوں نے کہہ دیا کہ یہ ٹھیک ہے۔ گویا وہ خدا کے ساتھ نہیں لعنت کے ساتھ ہیں۔ اگر ان کا معیار یہی رہے تو دنیا میں کوئی فیصلہ نہیں ہوسکتا۔ دیکھنا تو یہ ہوتا ہے کہ یہ لعنت پڑتی کس پر ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی اپنے دشمنوں پر لعنتیں ڈالیں اور مخالفوں نے بھی۔ تو اس صورت میں انہیں چاہئے کہ دونوں کی طرف ہو جائیں۔ دیکھنے والی بات تو یہ ہوتی ہے کہ لعنت پڑی کس پر ہے۔ لعنت ڈالنے کا کیا ہے۔ کیا ابوجہل نے بدر کے دن نہیں کہا تھا کہ اے خدا! اگر محمد ﷺ سچا ہے تو ہم پر پتھر برسا۔[۱۱] اور محمد ﷺ نے بھی کفار پر لعنت ڈالی۔[۱۲] اب دیکھنے والی بات تو یہ ہے کہ وہ کس پر پڑی۔ تو بہت سی چھوٹی چھوٹی باتیں ایسی ہیں جو دوستوں کے ذہن نشین کرنی ضروری ہیں۔ ہمارے اکثر دوست صرف چند مسائل سے واقف ہیں مگر ان کی تفاصیل نہیں جانتے۔ پس اس موقع پر اس فتنہ کے متعلق میں بعض اصول بیان کروں گا۔ اور علماء اور

سمجھدار لوگوں کو چاہئے کہ انہیں سمجھیں اور جماعت کے افراد کے قلوب میں ان کو داخل کریں حتیٰ کہ ہر ایک ہم میں سے قرآن کریم کے مطابق اور رسول کریم ﷺ اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اطاعت میں زندگی بسر کرنے والا ہو جائے اور ہمارا جینا و مرنا اس کی اطاعت میں ہو۔

(الفضل ۱۷؍جولائی ۱۹۳۷ء)

۱؎ بخاری کتاب الجهاد باب یقاتل من وراء الامام...... الخ

۲؎ تذکرہ صفحہ ۴۶۶۔ ایڈیشن چہارم

۳؎ تذکرہ صفحہ ۳۹۶۔ ایڈیشن چہارم

۴؎ مسلم کتاب الفتن باب قصة الجساسة

۵؎ اٰل عمران: ۸۰

۶؎ فاطر: ۲۹

۷؎ جیوہتیا:

۸؎ پرانوں: پُران کی جمع۔ ہندوؤں کی مذہبی کتابیں

۹؎ استثناء باب ۱۹۔ آیت ۲۱ برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی لاہور ۱۹۲۲ء

۱۰؎ گُودن: کُند ذہن

۱۱؎ سیرت ابن هشام جلد ۲ صفحہ ۱۲۸ مطبوعہ مصر ۱۹۳۶ء

۱۲؎